© rasailojaraid.com

بیع بالتقسیط کی شرعی حیثیت

مولانا جمشید اقبال مروت

ترقی کے اس دور میں اگر چار دانگ عالم پر ایک سرسری نظر دوڑائی جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ عصرِ حاضر میں دنیا جہاں نے جس میدان میں جتنی ترقی کی ہے، اُس میدان میں اتنے ہی مسائل سے دنیا کو دوچار کر دیا ہے......اسی حقیقت کے پیشِ نظر اگر میدانِ معیشت کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ میدانِ معیشت اگر ایک طرف ترقیوں کے آسمان چھو رہا ہے تو دوسری طرف مسلم دنیا کے لئے نہ ختم ہونے والے مسائل کو بھی جنم دیا ہے، شیئرز کی خرید وفروخت، نوٹ اور کرنسی کا شرعی حکم اور حقوقِ مجردہ کی خرید وفروخت وغیرہ، یہ تمام ایسے مسائل ہیں جن کو معیشت کی ترقی نے جنم دیا ہے۔

ان مسائل میں ایک اہم مسئلہ ''بیع بالتقسیط'' ہے، جس کا رواج موجودہ دور میں تمام اسلامی ممالک میں ہو چکا ہے۔اور آج کل ضرورت کی جتنی بڑی بڑی اشیاء ہیں وہ قسطوں پر فروخت ہوتی ہیں۔اس لئے اس بیع کا شرعی حکم معلوم کر کے اس پر متفرع ہونے والے مسائل کی تفصیل بیان کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔اس موضوع پر محققین علماء کرام نے اپنی اپنی تحقیق اور بساط کے مطابق مفصل مقالات تحریر فرمائی ہیں۔انہی حضرات کی تحقیق کو ماخذ بنا کر باوجود اپنی کم علمی کے کچھ معروضات زیرِ تحریر لانا چاہتا ہوں، جن کو اگر ان حضرات کی کاوشوں کا نتیجہ کہلایا جائے تو بجا ہوگا۔

بیع بالتقسیط کیا ہے؟

بیع بالتقسیط کا شرعی حکم اور اس پر متفرع ہونے والے مسائل کی تفصیل معلوم کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ بیع بالتقسیط کیا ہے؟ اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کے بعد اس کا شرعی حکم آسانی کے ساتھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔

بیع بالتقسیط کا مطلب یہ ہے کہ بیچنے والا (بائع) اپنا سامان (مبیع) خریدنے والے (مشتری) کو فی الحال دے دیں، اور مشتری اس چیز کی قیمت فی الحال ادا نہ کرے بلکہ طے شدہ قسطوں اور مقرر شدہ تاریخوں کے مطابق اس قیمت کو ادا کر لے۔ یہ بیع بالتقسیط ہے۔

اور یہ صورت جس بیع میں بھی پائی جائے وہ بیع بالتقسیط کہلائے گی، چاہے مبیع کی یہ طے شدہ قیمت بازاری قیمت کے برابر ہو یا اس سے کم یا زیادہ ہو۔لیکن عام طور پر اس مبیع کی طے شدہ قیمت بازاری قیمت سے زیادہ ہوا کرتی ہے......اگر نقد پیسے لے کر بازار میں جاؤ تو وہی چیز آپ دو ہزار میں خریدیں گے لیکن اگر یہ طے کر لیں کہ میں اس کی قیمت چھ مہینے یا سال میں ادا کرونگا تو یہی چیز آپ کو ڈھائی ہزار میں ملے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیع بالتقسیط اور فقہائے امت:

چونکہ اس بیع میں ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں قیمت زیادہ ہوتی ہے۔اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ زیادتی جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر فقہائے امت اور محققین علماء کرام نے بحث کی ہے جس کی بنا پر دو قسم کے آراء نظر آتے ہیں اور یوں اس میں علماء کے دو مسلک ہیں۔ایک مسلک کے قائلین بعض اہلِ بیت (امام زین العابدین علی بن حسین، ناصر ہادویہ اور الناصر والمنصور باللہ وغیرہ) ہیں۔جن کا مسلک علامہ شوکانیؒ نے ''نیل الاوطار'' میں عدم جواز کا نقل کیا ہے۔ جبکہ دوسرا مسلک جمہور فقہاء کا ہے جن میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں۔وہ اس بیع کو جائز کہتے ہیں بشرط یہ کہ عقد کے اندر ایک بات طے کر لی جائے کہ ہم نقد خریدر ہے ہیں یا ادھار:

مسلکِ اول کے قائلین اس زیادتی کو اس لئے ناجائز کہتے ہیں کہ ثمن کی یہ زیادتی ''مدت'' کے عوض میں ہے۔اور جو ثمن مدت کے عوض میں دیا جائے وہ سود ہے یا کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے۔

ان کے اس خیال کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں کہیں مدت کے مقابلے میں ثمن کا کوئی حصہ آجائے تو وہ ربا ہو جاتا ہے حالانکہ ان کا یہ مزعومہ غلط ہے......ربا النسیۂ اس وقت ہوتا ہے جبکہ دونوں طرف بدل نقود ہوں......اور جب دونوں طرف بدل نقود ہوں تو اس صورت میں کوئی بھی اضافہ کسی بھی طرح کسی بھی عنوان سے لیا جائے تو وہ سود ہوگا۔

تو جہاں مقابلہ نقود کا نقود کے ساتھ ہو تو وہاں وقت کی یا مدت کی کوئی قیمت مقرر کرنا ناجائز ہے، یہی سود ہے اور یہی ربا ہے!

لیکن جہاں مقابلہ نقود کا سلعہ اور عروض کے ساتھ ہو تو وہاں امثال متساویہ قطعاً نہیں ہوتے، وہاں اوصاف کا اعتبار ہدر نہیں ہوتا ۔بلکہ عروض کو جب نقود کے ذریعے بیچا جا رہا ہو تو مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عروض کو جس قیمت پر چاہے فروخت کرے، جب تک اس میں جبر کا عنصر نہ ہو......مختصر یہ کہ نقود بالنقود کے تبادلے میں اجل کی قیمت لینا ناجائز ہے لیکن جہاں تبادلہ عروض کا عروض کے ساتھ ہو یا عروض کا نقود کے ساتھ ہو تو وہاں اجل کی قیمت لینا اس معنی میں ہے کہ اس کی وجہ سے کسی عروض کی قیمت میں اضافہ کر دیا جائے یہ ربا میں داخل نہیں۔(انعام الباری جلد نمبر ۶، ص نمبر ۱۱۹)۔

مسلکِ اول کے قائلین اپنی رائے پر حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

" عن ابی ھریرۃؓ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیعتین فی بیعۃ " ۔

حضرت ابوھریرۃؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع میں دو بیع سے منع فرمایا ہے۔لیکن حضرات جمہور نے اس حدیث کی تفسیر وتشریح امام ترمذیؒ کے طور پر کی ہے جس سے جمہور کا مسلک واضح ہوتا ہے۔امام ترمذیؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

" وقد فسر بعض اھل العلم ، قالوا بیعتین فی بیعۃ ان یقول ابیعک ھذا الثوب بنقد بعشرۃ و بنسیئۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعشرین ولا یفارقه احد البیعین فان فارقه علی احد هما فلا بأس اذا کانت العقد علی احد منهما " .

(جامع الترمذی کتاب البیوع) .

ترجمہ: '' بعض اہل علم نے اس حدیث کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ بیعتین فی بیعة سے مراد یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں یہ کپڑا تمہیں نقد دس درہم میں بیچتا ہوں اور ادھار بیس درہم میں بیچتا ہوں اور پھر کسی ایک بیع پر اتفاق کر کے جدائی نہیں ہوئی اور اگر ان میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونے کے بعد جدائی ہوئی تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ معاملہ ایک پر طے ہو گیا '' ۔

امام ترمذیؒ کے اس قول کا ماحاصل یہ ہے کہ اس صورت میں جو لازم ہے وہ باطل نہیں اور جو باطل ہے وہ لازم نہیں۔ اس لئے کہ نہی کی علت قیمت میں تردد ہے اور یہ تردد جہالتِ ثمن کو مستلزم ہے جس کی بناء پر بیع ناجائز ہوئی ...... لیکن عقد کے وقت کسی ایک حالت کی تعیین کر کے جہالتِ ثمن دور کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا مذکورہ صورت میں باطل لازم نہیں اور لازم باطل نہیں ...... اس لئے کہ مدت کی وجہ سے قیمت میں زیادتِ نہی کی علت نہیں ہے۔

امام ترمذیؒ نے حدیث کی جو تشریح کی ہے یہی حضرات جمہور فقہاء اور ائمہ اربعہ کا مسلک ہے۔ اور دلائل سے یہی راجح ہے۔ اور راجحیت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اس بیع کے عدم جواز پر کوئی نص موجود نہیں ہے۔ اور اس بیع میں ثمن کی جو زیادتی پائی جا رہی ہے اس پر ربا کی تعریف بھی صادق نہیں آ رہی ہے...... اس لئے کہ یہ عام بیع ہے اور عام بیع میں شرعاً مکمل اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے فروخت کرے۔ " کما مرّ آنفاً " .

اسی طرح بائع کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی چیز بازاری قیمت پر ہی فروخت کرے۔ لہٰذا اگر کوئی تاجر یا بائع اپنے چیز کی قیمت ایک حالت میں ایک مقرر کرے اور دوسری حالت میں دوسری مقرر کرلے، تو شریعت اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی، اور نہ ہی اس میں شرعاً کوئی قباحت ہے۔ لیکن اس بات کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ اس میں تعیینِ قیمت اور تعیینِ مدت شرط ہے، اس کے بغیر بیع بالتقسیط جائز نہیں...... یعنی عقد کے وقت دو قیمتوں میں سے ایک قیمت کی تعیین شرط ہے...... مثلاً بائع کہتا ہے کہ یہ چیز نقد ہزار روپے میں ہے اور ادھار دو ہزار روپے میں ہے۔ تو ایک شق کا متعین کرنا ضروری ہے۔ جب ایک شق متعین ہو جائے تو بیع جائز ہو جاتی ہے لیکن اگر کوئی شق متعین نہیں کی گئی اور بائع نے کہا کہ اگر نقد لو گے تو ہزار میں اور ادھار لو گے تو دو ہزار میں ...... اور مشتری نے کہا: ٹھیک ہے میں لیتا ہوں اور طے نہیں کیا کہ نقد لیتا ہے یا ادھار...... تو یہ بیع ناجائز ہوگی۔ اس لئے کہ دو قیمتوں میں ایک کی تعین شرط تھی اور وہ پائی نہ گئی لہٰذا جوازِ بیع بھی ختم ہوئی اس لئے کہ " اذا فات الشرط فات المشروط " .

جہاں تک جمہور فقہاء کے مسلک کی بات ہے تو اس کی تائید بہت سے آثار سے ہوتی ہے اور ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے اس لئے قرآن وسنت سے اس کی جواز پر دلائل بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نفسِ ثمن میں زیادتی جائز ہے:

یہاں یہ بات ملحوظِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ نفسِ ثمن میں زیادتی جائز ہے لیکن منافع کا مطالبہ جائز نہیں ......اور یہ ملحوظِ نظر رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ آج کل بعض لوگ اس طرح کرتے ہیں کہ نقد بیچنے کی بنیاد پر ایک چیز کی ایک قیمت مقرر کر دیتے ہیں لیکن تاخیر کی بنیاد پر اس اصل قیمت میں اضافہ کرتے ہیں، یہ صورت سود میں داخل ہے......مثال کے طور پر ایک چیز بیچتا ہے اور مشتری سے کہتا ہے کہ میں اس چیز کو آپ کے ہاتھوں ہزار روپے فروخت کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم نے ایک ماہ تک قیمت ادا نہ کی تو تمہیں تین سو روپے مزید ادا کرنے ہونگے۔ اب اس تین سو روپے کو چاہے جو نام دیا جائے، اسے سود سے خارج نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کے سود نہ ہونے میں کسی شک یا شبہ کی گنجائش ہے۔

ایک سوال:

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ بیع بالتقسیط اور مذکورہ بالا صورت میں بظاہر تو کوئی فرق نظر نہیں آتا......تو پھر دونوں میں مابہ الامتیاز کیا چیز ہے۔ جس کی وجہ سے ایک کی جواز اور دوسرے کی عدم جواز ثابت ہو رہی ہو؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں قیمت تو مقرر ہو گئی اور پھر ادائیگی میں تاخیر کی بنیاد پر نفع کا اضافہ کیا گیا......اور اس کے بعد ادائیگی میں جتنی تاخیر ہوتی جائے گی، نفع میں اضافہ بھی ہوتا جائے گا۔ یعنی ایک ماہ کی تاخیر پر تین سو روپے کا اضافہ ہو جائے گا۔ دو ماہ کی تاخیر پر چھ سو روپے کا، تین ماہ کی تاخیر پر نو سو روپے کا اضافہ ہو جائے گا، اس طرح ہر تاخیر پر قیمت میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ یہ صورت ربا میں داخل ہے اور شرعاً ناجائز ہے، جبکہ پہلی صورت یعنی بیع بالتقسیط میں بائع اور مشتری کے درمیان جن مختلف قیمتوں پر بھاؤ تاؤ ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک قیمت یقینی طور پر فریقین کے اتفاق سے طے ہو جاتی ہے۔ اور بیع کی تکمیل کے بعد اس میں کمی یا زیادتی کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی مشتری کی طرف سے قیمت میں تقدیم و تاخیر سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ مثلاً مشتری نے ایک چیز ہزار روپے میں اس شرط پر خریدی کہ ایک ماہ بعد اس کی قیمت ادا کریگا۔ لیکن کسی وجہ سے وہ قیمت ایک ماہ کی بجائے دو یا تین ماہ میں ادا کرے، تب بھی وہی ہزار روپے ادا کریگا، اس سے زیادہ ادا نہ کریگا۔ تو یہ مدت کے مقابلہ میں زیادتی نہ ہوئی اور نہ ہی اس بیع پر سود کی تعریف صادق آتی ہے۔ لہٰذا یہ صورت جائز ہے مذکورہ بالا تفصیل سے دونوں صورتوں کے درمیان مابہ الامتیاز اچھی طرح واضح ہو گیا۔ اور اس بات کی وضاحت بھی اچھی طرح ہو گئی کہ ثمن میں زیادتی جائز ہے لیکن منافع کا مطالبہ جائز نہیں ہے۔

بیع بالتقسیط میں دین کی توثیق اور اس کی قسمیں:

بیع بالتقسیط چونکہ مؤجل ہے۔ اور بیع مؤجل میں بیع کی تکمیل کے ساتھ ثمن مشتری کے ذمے دین ہو جاتا ہے۔ اس لئے بائع کو مشتری سے دین پر توثیق یا کسی قسم کی گارنٹی کا مطالبہ کرنا جائز ہے۔ اور اس کی چند صورتیں ہیں، جن میں سے دو بنیادی حیثیت کی حامل ہیں: (۱) تیسرے شخص کا ضمانت دینا، (۲) رھن کا مطالبہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۱) تیسرے شخص کی طرف سے ضمانت اور گارنٹی:

حصولِ قرض پر ضمانت کی ایک بنیادی صورت ''تیسرے شخص کی طرف سے ضمانت اور گارنٹی'' کی ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ مشتری کی طرف سے کوئی تیسرا شخص اداءِ دین کی ضمانت لے لے، اور یہ ذمہ داری قبول کرلے کہ مدیون اگر دین ادا کرنے سے قاصر رہا تو میں دین ادا کرونگا۔ اس قسم کی ضمانت کو ''کفالہ'' کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ اس قسم کی ضمانت پر کسی قسم کی اجرت لینا یا حقِ محنت کا مطالبہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ یہ اجرت جائز ہے اور دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ گارنٹی اور ضمانت اب عقدِ تبرع نہیں رہا بلکہ عصرِ حاضر میں تجارت کا ایک لازمی جز بن گیا ہے۔ اور اب یہ وقت کی ضرورت ہے لہٰذا اس قسم کی اجرت اور حقِ محنت کا مطالبہ جائز ہے۔ لیکن اکثر فقہاء اور جمہور علماء کا قول ''عدم جواز'' پر ہے۔ باقی رہا بعض حضرات کی طرف سے وقت کی ضرورت سے استدلال کرنا سو وہ کسی طرح درست نہیں، ورنہ قرض پر منافع کا مطالبہ بھی جائز ہوگا کیونکہ وہ بھی وقت کی ضرورت ہے لیکن وہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

(۲) رھن کا مطالبہ:

حصولِ قرض کے لئے ضمانت کی دوسری بنیادی صورت ''رھن کا مطالبہ'' ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائع مشتری پر کوئی چیز بیع بالتقسیط کے ذریعے فروخت کرے اور دین کی مقررہ وقت پر ادا کرنے یا اس کی توثیق کے لئے بطورِ رھن اس سے کسی چیز کا مطالبہ کرے اور مشتری اپنی مملوکہ کوئی چیز بائع کے پاس بطورِ رھن رکھے۔ تو بائع کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ اب اگر مشتری نے مقررہ وقت تک دین ادا نہ کی تو پھر بائع کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس شیء مرھون کو فروخت کردے۔ اب شیء مرھون کی قیمت اگر دین سے کم ہو تو پھر مشتری بقیہ رقم ادا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ لیکن شیء مرھون کی قیمت اگر دین سے زیادہ ہو تو پھر اپنے دین سے زیادہ قیمت مشتری کے حوالہ کرنا اس پر لازم ہے۔ لیکن اگر مشتری نے مقررہ مدت تک دین ادا کی تو بائع مشتری کی شئی مرھون واپس کردیگا۔

باقی رہی یہ بات کہ آیا بائع کے لئے شئی مرھون سے نفع حاصل کرنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

یہ ایک مستقل مسئلہ ہے اور یہ مقام اس سے بحث کی نہیں ہے۔

مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ چند صورتیں اور بھی ہیں جن کا آج کل عام رواج ہے ان کی تفصیل ذیل کی سطور میں کی جارہی ہے۔

(۱) حبس المبیع:

عصرِ حاضر میں معاملات کی جو صورتیں رائج بین الناس ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ بائع مبیع کو اپنے پاس محبوس رکھتا ہے۔ اور یہ حبسِ مبیع اس وقت تک ہوتا ہے جب تک مشتری یا تو پوری قیمت ادا نہ کردے یا اس کی کچھ اقساط ادا نہ کردے۔ اور حبسِ مبیع دو صورتوں میں ممکن ہے: (الف) ثمن کی وصولیابی کے لئے، (ب) بطورِ رھن کے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(الف) : حبس المبیع لا ستیفاء الثمن:

حبس المبیع لاستیفاء الثمن عدمِ جواز پر مبنی ہے یعنی مبیع کو اگر ثمن کی وصولیابی کے لئے روک لیا جائے تو یہ صورت جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ بات پہلے سے معلوم ہو چکی ہے کہ بیع بالتقسیط بیع مؤجل ہوتی ہے۔ اور بیع مؤجل میں بائع کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ استیفاء ثمن کے لئے مبیع کو محبوس رکھے۔ جیسا کہ فتاویٰ ھندیہ کے ذیل کی عبارت سے اچھی طرح واضح ہے:

" قال اصحابنا رحھم اللہ تعالیٰ للبائع حق حبس المبیع لا ستیفاء الثمن اذاکان حالاً کذافی المحیط وان کان مؤجلاً فلیس للبائع ان یحبس المبیع قبل حلول الاجل ولا بعدہ' کذافی المبسوط " .

(فتاویٰ ھندیہ کتاب البیوع (عربی)) .

ہمارے اصحاب رحمھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر دام نقد ٹھہرے ہوں تو دام پورے حاصل کرنے کے واسطے بائع کو مبیع کے روکنے کا اختیار میعاد سے پہلے ہے اور نہ اس کے بعد ہے، یہ مبسوط میں ہے۔ ((عالمگیری (اُردو) جلد نمبر۳ کتاب البیوع ص۲۱۹)۔

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حبسِ مبیع اگر استیفاء ثمن کے لئے ہو تو نا جائز ہے۔

(ب): حبس المبیع بطریق الرھن :

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حبسِ مبیع بطورِ رھن کے ہو...... یعنی مشتری کے ذمے مبیع کا جو ثمن واجب ہو چکا ہے اس کے عوض میں بائع وہی مبیع بطورِ رھن کے اپنے قبض میں رکھے، اس کی پھر دو امکانی صورتیں ہیں، جن میں سے ایک جائز اور ایک نا جائز ہے:

(۱) قبل قبض المشتری ہو، (۲) بعد قبض المشتری ہو .

(۱) قبل قبض المشتری ہو:

مذکورہ بالا صورت کا پہلا امکانی طریقہ یہ ہے کہ مشتری مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس مبیع کو بائع کے پاس بطورِ رھن رکھے، یہ نا جائز ہے اس لئے کہ یہ وہی پہلی صورت ہے جس میں حبسِ المبیع لاستیفاء الثمن ہو۔

(۲) بعد قبض المبیع ہو:

دوسرا امکانی طریقہ یہ ہے کہ مشتری مبیع پر قبضہ کرے۔ اس کے بعد اس مبیع کو بائع کے پاس بطورِ رھن رکھے۔ اس صورت کے جواز پر اکثر فقہاء نے قول کیا ہے۔

جیسا کہ صاحبِ ہدایہ نے جامع الصغیر کا قول نقل کر کے فرمایا ہے:

" ومن اشتری ثوباً بدراھم فقال البائع امسک ھذا الثوب متیٰ اعطیک الثمن فالثوب رھن " .

پس معلوم ہوا کہ اگر مبیع کو قبض کرنے کے بعد بائع کے پاس بطورِ رھن رکھا جائے تو یہ جائز ہے تفصیل کے لئے ردالمختار کتاب الرھن کی طرف رجوع کی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) التوثیق بالکلمبالیہ :

توثیق دین کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جن میں ایک دستاویز لکھی جاتی ہے جس پر یہ بات رقم ہوتی ہے کہ فلاں شخص فلاں بائع کی اتنی رقم کا اتنی مدت کے لئے مدیون ہے اور وہ اس رقم کو اس تاریخ پر بائع کو ادا کریگا۔ پھر اس پر مشتری اپنے دستخط کر دیتا ہے۔ اس قسم کی توثیق کو ''توثیق بالکمبالیہ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اور عام رواج پر ''بل آف ایکسچینج'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ توثیق مندوب ہے اور اس کا ندب '' یاایھا الذین آمنو ا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمیٰ فاکتبوہ...... الخ '' سے صاف اور واضح طور پر ظاہر ہے۔

(۳) الرھن السائل :

آج کل بیع بالتقسیط کا معاملہ ایک اور صورت میں کیا جاتا ہے جس سے '' الرھن السائل '' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مرتھن شئی مرھونہ پر قبضہ نہیں کرتا، بلکہ شئی مرھون راہن کے پاس ہی رہتی ہے لیکن راھن (مدیون) جب بھی اداءِ دین سے قاصر ہو جاتا ہے تو پھر دائن اس مدیون (راھن) سے مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ شئی مرھون کو فروخت کر کے دین ادا کرے۔ مثلاً ایک دوکاندار گاڑی، مکان وغیرہ کی خرید و فروخت کرتا ہے، تو وہ دین کی توثیق یا مقررہ وقت پر دین کی ادائیگی کے لئے اس گاڑی یا مکان وغیرہ کے کاغذات و دستاویزات خریدار سے روک لیتا ہے۔ اگر خریدار نے بروقت قسطیں ادا کیں تو آخری قسط ادا کرنے پر اس کو کاغذات مل جائینگے اور اگر خریدار نے قسط ادا کرنے میں تاخیر کی یا قسط ادا کرنے سے قاصر رہا تو بائع ان کاغذات و دستاویزات کی بنیاد پر خریدار سے اپنی گاڑی وغیرہ واپس لے سکتا ہے...... یہ '' الرھن الساذج '' ، '' الذمۃ السائلہ '' اور '' الرھن السائل '' جیسے مختلف ناموں سے معروف ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا دین کی توثیق اور اعتماد کے حصول کے لئے اس قسم کا رھن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

اسی طرح وہ گاڑی وغیرہ جس کے کاغذات مشتری سے منع کیئے گئے ہیں اور گاڑی وغیرہ اس کے حوالے کی گئی ہے...... اس گاڑی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ رھن ہے یا عاریت؟ اگر رھن ہے تو رھن کی صحت کے لئے شئی مرھون پر مرتھن کا قبضہ شرط ہے۔ اور یہ شرط قرآن کریم کی آیت '' فرھن مقبوضۃ '' سے واضح ہو رہا ہے۔ اور یہاں قبضہ نہیں ہے کیونکہ شئی مرھون یعنی گاڑی وغیرہ تو راھن (مشتری) کے قبضہ میں ہے۔ لہٰذا اسے رھن کہنا درست نہیں۔ اور اگر یہ عاریت ہے تو بھی اس پر اشکال ہے۔ اس طرح کہ عاریت کا حکم اس وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ مرتھن ایک بار شئی مرھون پر قبضہ حاصل کر چکا ہو اور قبضہ کے بعد راھن کو بطور عاریت واپس کر دیا ہو؟

اس صورت میں تو شئی مرھونہ پر سرے سے قبضہ ہی نہیں ہوا تو اسے عاریت کیسے کہیں؟

اس مسئلہ میں میرے اُستادِ محترم جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے اپنا رجحان اس طرف ظاہر فرمایا ہے کہ یہ بیع رھن کے حکم میں ہے...... حضرات الاستاذ مدظلہ العالی نے اس بارے میں حضرات فقہاء کی خدمت میں غور و تامل کے لئے پانچ امور پیش کیئے ہیں۔ اور پھر ان پانچ امور کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

" بہر حال مندرجہ بالا پانچ ملاحظات کی بنا پر میری رائے کا رجحان "رھنِ مسائل" کے جواز کی طرف ہے۔لیکن قطعی فیصلے کیلئے علماء حضرات ان پر غور فرمالیں۔واللہ سبحانہ اعلم ۔(مزید تفصیل کیلئے فقہی مقالات ج ۱ص ۹۴،۹۵،۹۶ کی طرف رجوع فرمالیں) ۔

مذکورہ وضاحت سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ اگر اس معاملہ کو رھن کہا جائے تو درست ہوگا۔اور اگر چہ یہاں حقیقۃً قبضہ نہیں پایا گیا لیکن حکماً قبضہ پایا گیا ہے۔اس لئے کہ اس میں کاغذات بائع کے پاس ہوتے ہیں۔اور مشتری کی طرف سے اس بات کا پورا اطمینان ہوتا ہے کہ قسطوں میں کوتاہی یا تاخیر کی صورت میں آپ کاغذات کی بناء پر گاڑی پر قبضہ کرسکتے ہیں۔اور میری طرف سے گاڑی واپس لینے کی اجازت ہوگی۔لہٰذا اس صورت میں مشتری کی طرف سے کوئی مانع نہیں،لہٰذا حکماً قبضہ موجود ہے۔اور صحتِ رھن کے لئے حقیقی قبضہ ضروری نہیں بلکہ حکمی قبضہ بھی کافی ہوتی ہے۔

لیکن اگر اس معاملہ کو " منزلة الرهن " کے درجہ میں شمار کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔اس لئے کہ عین رھن میں ایجاب وقبول ضروری ہیں اور یہاں جو ایجاب وقبول ہوا ہے،وہ بیع کی ہے رھن کی نہیں......نیز رھن میں مرتھن شئی مرھونہ کا ذمہ دار ہوتا ہے اور یہاں شئی مرھونہ کا ذمہ دار خود راھن ہے۔مرتھن نہیں حتی کہ اگر یہی شئی مرھون ہلاک ہوگئی تو نقصان راھن ہی کا ہوگا،مرتھن کا نہیں۔لہٰذا مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر یہ بمنزلۃ الرھن ہے عینِ رھن نہیں۔

تعجیل کی صورت میں دین کا کچھ حصہ چھوڑ دینا:

بیع بالتقسیط پر متفرع ہونے والے مسائل میں ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر مدیون مقررہ وقت سے پہلے دین ادا کردے اور دائن دین کا کچھ حصہ چھوڑ دے تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

مذکورہ مسئلہ کی دو صورتیں ہیں:ایک صورت جواز کی ہے اور دوسری صورت عدم جواز کی:

پہلی صورت:

پہلی صورت یہ ہے کہ مدیون مقررہ وقت سے پہلے دین ادا کردے اور دائن دین کا کچھ حصہ چھوڑ دے۔لیکن اس میں دائن یا مدیون کی طرف سے کوئی قید اور شرط نہ ہو۔تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے،بلکہ یہ جائز ہے اور ایک قسم کا تبرع ہے۔

دوسری صورت:

دوسری صورت یہ ہے کہ دائن اپنے دین کا کچھ حصہ اس شرط پر چھوڑ دے کے مدیون باقی دین فی الحال ادا کردے۔اس کا نام اصطلاحِ فقہ میں " ضع و تعجل " ہے۔اس کے حکم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔بعض صحابہ کرام اور فقہاء اس کی جواز کے قائل ہیں،جن میں سرفہرست حضرت عبداللہ بن عباسؓ،ابراہیم نخعیؒ اور امام زفرؒ وغیرہ ہیں۔جبکہ بعض صحابہ کرام اور فقہاء اس کی عدم جواز کے قائل ہیں،جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ،حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ شامل ہیں۔جبکہ ائمہ اربعہ رحمھم اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی یہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان حضرات کے درمیان اختلاف کا منشاء دو مرفوع حدیثیں ہیں، جن کو امام بیہقیؒ نے ''سنن الکبری للبیہقی'' میں نقل کیا ہے۔

ایک حدیث جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مرفوعاً نقل ہے، جواز پر دلالت کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:

" لما امر النبی ﷺ باخراج بنی النضیر من المدینة ، جاءه ناس منهم فقالوا : یارسول الله ! انک امرت باخراجهم ، ولهم علی الناس دیون لم تحل فقال النبی ﷺ : ضعوا وتعجلوا " .

ترجمہ: '' جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو مدینہ طیبہ سے نکل جانے کا حکم فرمایا تو کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بنو نضیر کو مدینہ سے نکلنے کا حکم فرمایا ہے، حالانکہ لوگوں پر ان کے دیون باقی ہیں، جن کی ادائیگی کا وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کچھ ساقط کردو اور جلدی ادا کردو۔

یہ حدیث اس معاملہ کی جواز پر دلالت کرتی ہے...... دوسری حدیث حضرت مقداد بن اسودؓ سے مرفوعاً نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

" اسلفت رجلاً مائة دینار، ثم خرج سهمی فی بعث بعثه رسول الله ﷺ ، فقلت له: عجل لی تسعین دیناراً واحط عشرة دنانیر ، فقال نعم ، فذکر ذلک لرسول الله ﷺ ، فقال: اکلت رباً یا مقداد واطعمته " .

ترجمہ: '' حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو سو دینار بطور قرض دیے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو وفد بھیج رہے تھے، اس میں میرا نام بھی آ گیا۔ میں نے اس شخص سے کہا کہ اگر تو مجھے نوے دینار فوراً دے دے، تو میں تمہیں دس دینار چھوڑ دیتا ہوں۔ اس نے منظور کرلیا۔ (اور میں نے اس سے نوے دینار لے لئے)، پھر بعد میں کسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مقداد تم نے خود بھی سود کھایا اور اسے بھی کھلایا۔

اس حدیث سے عدم جواز ثابت ہو رہی ہے۔ لیکن امام بیہقیؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ سند کے اعتبار سے دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ اس لئے دونوں میں سے کسی ایک کو حجت اور اور دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ فقہاء نے جانب حرمت کو ترجیح دی ہے۔ (بحوالہ فقہی مقالات ج ۱ ص ۱۰۱، ۱۰۲)۔

لیکن جن حضرات نے بنو نضیر کے واقعے سے استدلال کیا ہے اس معاملے کی جواز پر، سو وہ کئی وجوہات کی بناء پر قابل حجت واستدلال نہیں:

(۱)...... اس کی سند ضعیف ہے۔

(۲)...... بنو نضیر کا واقعہ ۲ھ کا ہے جو کہ سود کی حرمت سے پہلے کا ہے۔

(۳)...... اس وقت بنو نضیر کے ساتھ مسلمانوں کی حالت جنگ کی تھی، ان کے لئے بنو نضیر کے پورے مال پر قبضہ بھی جائز تھا، دین کے بعض حصہ کا کم کردینا تو بطریق اولیٰ جائز تھا۔

(۴)...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے جس حصے کو ساقط کرنے کا حکم فرمایا تھا، اس سے مراد وہ سود تھا جو کہ راس المال سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زائد تھا، راس المال میں کمی کرنے کا حکم نہیں تھا۔

(نوٹ: یاد رہے کہ یہود دوسرے لوگوں کے ساتھ سود پر لین دین کا معاملہ کرتے تھے، اس کے علاوہ ''ضع وتعجل'' کی حرمت اور عدم جواز پر ہدایہ کی یہ عبارت بھی پوری طرح حجت ہے۔

'' قوله : ولو كانت له' الف مؤجلة فصالحه' علىٰ خمسمائة حالة لم يجز '' (هدايه ج ۳ كتاب البيوع).

قسط میں تاخیر کی وجہ سے ثمن میں اضافہ کرنا:

بیع بالتقسیط پر متفرع ہونے والے مسائل میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ بعض اوقات مدیون وقت مقررہ پر دین کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو اس صورت میں دائن کے لئے تاخیر پر اضافی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں بعض علماء نے مدیونِ موسر پر مالی معاوضے کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اگر مدیون معسر اور تنگ دست ہو تو اس صورت میں اس کے ساتھ نرمی کرنا بہتر ہے۔ اور اس پر مالی معاوضہ لازم نہیں ہوگا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مدیون خواہ معسر ہو یا موسر یعنی تنگ دست ہو یا فراخ دست، کسی صورت میں بھی تاخیر پر کوئی معاوضہ لینا یا تاخیر کی وجہ سے اضافہ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ ٹال مٹول اور تاخیر کا مسئلہ آج کے دور کا مسئلہ نہیں بلکہ ہر زمانے میں دنیا کے ہر کونے میں تجار اس مسئلہ سے دوچار ہوتے آرہے ہیں۔ لیکن احادیث کے مجموعے میں ایسی کوئی حدیث یا اثر نہیں ملی ہے جس میں تاخیر پر کوئی مالی معاوضہ مقرر ہوا ہو یا کوتاہی پر کسی قسم کے اضافے کی ثبوت ملتی ہو۔ اور نہ ہی تاریخ میں کسی مفتی یا قاضی سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اس نے ٹال مٹول کرنے والے پر ''مالی معاوضہ'' کا حکم لگایا ہو۔ لہٰذا ان سب باتوں سے تاخیر پر مالی معاوضے یا کسی قسم کے اضافے کی عدم جواز کا ثبوت ہو رہا ہے۔

البتہ مدیون کے حق میں یہ بات ہے کہ اگر وہ معسر ہے اور تنگ دستی کی وجہ سے ادائیگی میں تاخیر کر رہا ہے تو اس پر گناہ نہیں اور دائن کو چاہئے کہ وہ '' وان كـان ذو عسـرة فـنـظـرة الىٰ ميسره '' کے پیشِ نظر اس مدیون کے ساتھ نرمی کرلے۔ لیکن اگر مدیون موسر ہے اور فراخ دستی کے باوجود بھی دین کی ادائیگی میں تاخیر اور کوتاہی کر رہا ہے تو وہ گناہ گار ہے۔ اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان '' مطل الغنی ظلم '' کا مصداق ہے۔

مدیون کی موت سے بیع مؤجل ہی رہیگا یا فی الحال واجب الاداء ہوگا؟

بیع بالتقسیط پر متفرع ہونے والے مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ادائیگی کی مدت کے دوران اگر مدیون کی موت واقع ہوجائے تو شریعت میں اس دین کا حکم کیا ہے؟ آیا وہ اسی طرح مؤجل ہی رہیگا یا فی الحال واجب الادا ہوگا؟ اس بارے میں فقہاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان اختلاف پایا جارہا ہے۔ حنابلہ کے نزدیک مدیون کی موت سے دین اسی طرح مؤجل ہی رہتی ہے بشرطیکہ مدیون کے ورثاء اس دین کی توثیق کردیں اور اس کی ادائیگی پر اطمینان بھی دلا دیں۔ جبکہ دیگر مذاہب ثلثہ میں دین مؤجل نہیں رہتا بلکہ فی الفور واجب الادا ہو جاتا ہے۔

احناف کا اصل مسلک اگرچہ وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا لیکن متاخرین حنفیہ نے اس قول پر فتویٰ نہیں دیا ہے بلکہ ان کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر یہ صورت پیش آجائے تو اس میں مشتری پر ثمن مرابحہ میں سے صرف اسی قدر واجب الادا ہوگا جو گذشتہ مدت کے مقابل ہوگا۔

اب مسئلے کا حل کیا ہے؟

اس بارے میں حضرت الاستاد جناب مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی نے اپنی مقالات میں تحریر فرمایا ہے: کہ میرے نزدیک اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ اگر ان میں ہم " فوری واجب الادا " والا قول لے لیں تو اس صورت میں مدیون کے ورثاء کا نقصان ہوگا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ دو قولوں میں سے ایک قول کو اختیار کرلیا جائے کہ اداء دین کی جو مدت متفق علیہ تھی، اس کے آنے میں جتنا وقت بھی باقی ہے اس وقت کے مقابلے میں جتنا ثمن آتا ہو وہ ساقط کردیا جائے، لہٰذا مدیون کے ترکہ میں سے صرف ایام گذشتہ کے مقابل جو ثمن ہو وہ وصول کرلیا جائے، یا پھر حنابلہ کے قول کو اختیار کرتے ہوئے جس طرح وہ دین مؤجل تھا، اب بھی اسی طرح مؤجل رہنے دیا جائے البتہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ مدیون کے ورثاء کسی قابل اعتماد ذریعہ سے اس دین کی توثیق کردیں۔ (فقہی مقالات ج ا ص ۱۳۸)۔

یہی کچھ معروضات تھیں جو بیع بالتقسیط کی شرعی حکم اور اس پر متفرع ہونے والے مسائل کے حوالے سے زیر تحریر لایا۔ اللہ تعالیٰ اپنی درگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازیں۔ (آمین......)۔

...... ☆ گذارش بحضور اہلِ قلم صاحبان ☆ ......

مجلہ المباحث الاسلامیہ کے مزاج اور مقصدِ اشاعت سے آپ بخوبی آگاہ ہیں۔

المباحث الاسلامیہ جدید دور کی ترقیات سے پیدا شدہ فقہی مسائل کے حل کی طرف پیش رفت کا علمبردار ہے تاکہ مسائل کا اجتماعی حل سامنے آئے۔

ہم اہلِ قلم کو دعوت دیتے ہیں کہ جدید مسائل پر مشتمل اپنی علمی تحقیقات اشاعت کے لئے مجلہ کے پتہ پر ارسال فرما کر صحیح فکرِ اسلامی کی ترجمانی میں ممد و معاون ثابت ہوں۔

واجرکم علی اللہ ...... ادارہ

© rasailojaraid.com